© rasailojaraid.com

بحث ونظر

اسلام اور جاہلیت کی کشمکش[1]

مولانا صدرالدین اصلاحی

انسان کا امتیازی وصف

نوعِ انسانی کا وہ امتیازی جوہر، جو اسے قدرت کی ایک شاہ کار مخلوق بناتا ہے دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے، اس کی عقل ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو اسے اپنے اعمال وحرکات کے سلسلے میں جواب دہ اور مستحق جزا وسزا ٹھہراتی ہے۔ اگر کسی کے اوپر کوئی چٹان لڑھک کر گر پڑے اور اسے زخمی کر دے یا جان سے مار دے تو کوئی بھی اس چٹان کو مجرم نہیں قرار دیتا۔ کیونکہ وہ عقل اور شعور سے عاری ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مویشی کسی کی کھیتی چر ڈالے اور اس کو روند کر رکھ دے تو اسے مجرم ٹھہرا کر اس پر کوئی فردِ جرم عائد نہیں کی جاتی۔ کیونکہ گو وہ شعور اور احساس رکھتا ہے مگر عقل وخرد نہیں رکھتا۔ لیکن ضرر رسانی کی ایسی ہی کوئی حرکت جب کسی آدمی سے سرزد ہوتی ہے تو قانون اور مذہب، سماج اور حکومت سب اسے اپنے اس فعل کا ذمہ دار اور جواب دہ سمجھتے اور لائقِ تعزیر قرار دیتے ہیں۔ صرف اس بنا پر کہ وہ شعور بھی رکھتا ہے اور عقل بھی، دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان کے ایک ذمہ دار، مسئول اور مستحقِ جزا یا لائقِ سزا ہستی ہونے کی تمام تر وجہ اس کی عقل وفہم ہے۔

عقل کی نامرادیاں لیکن انسان کے ایک صاحب فہم وعقل ہستی ہونے کے معنی ہرگز

[1] زیرِ ترتیب کتاب "معرکۂ اسلام وجاہلیت" کا پہلا باب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ نہیں ہیں کہ اس کا ہر کام لازماً عاقلانہ ہی ہوا کرتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے عقل و خرد کی ترازو میں ٹھیک ٹھیک تول کر ہی کرتا ہے۔ ایک طالب علم اپنا بیشتر وقت تفریحوں میں گزارتا رہتا ہے جبکہ دوسرا اپنے تعلیمی فرائض کی انجام دہی میں لگا رہتا ہے۔ انسان ہونے کے باعث صاحب عقل ہستی دونوں ہی ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی شخص دونوں کو یکساں طور پر اپنی عقل کا صحیح استعمال کرنے والا نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح کے متضاد کرداروں کی مثالیں واقعات کی دنیا میں ہر طرف موجود دیکھی جا سکتی ہیں، جو اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ انسان اپنی اس امتیازی قوت کے صحیح استعمال میں جہاں کامیاب رہتا ہے وہاں ناکام بھی ہو جایا کرتا ہے۔ اور شواہد بتلاتے ہیں کہ اس کی ناکامیوں کی فہرست کامیابیوں کے مقابلے میں کم طویل نہیں ہے۔ پھر بات اتنی ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی عقل کے صحیح استعمال میں ناکام ہوتا رہتا ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات وہ اس کا استعمال ہی نہیں کرتا، حتیٰ کہ اس کی سنی ان سنی ایک کر دیتا ہے۔ کتنے ہی شرابی، جواری، رہزن اور فحش کار آپ ایسے ہر جگہ پا اور دیکھ سکتے ہیں جو دل میں اپنے فعل کو خود بھی نادرست ہی سمجھتے ہوں گے، مگر پھر بھی کسی نہ کسی وجہ سے وہ اس کا ارتکاب کیے جا رہے ہوں گے۔ اس سے جو حقیقت روشنی میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل قوت کا استعمال ہمیشہ نہیں کیا کرتا، اور جب کرتا بھی ہے تو ضروری نہیں ہوتا کہ وہ صحیح بھی ہو، اور اگر وہ صحیح ہو بھی تو لازمی نہیں ہے کہ وہ اس کے کہے پر عمل بھی کرے۔

جب معمولی معمولی کاموں کے سلسلے میں عقلِ انسانی کے استعمال اور اس کی شنوائی کا یہ حال ہے تو خدا اور مذہب جیسے ماورائی مسئلے کے بارے میں کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا؟ دو پیسے کی امانت میں خیانت سے باز نہ رہنے والوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ایک لاکھ کی امانت میں سچے امین ثابت ہوں گے، بڑی سادہ لوحی کی بات ہوگی۔ جو انسان اپنے مرغوب دنیوی مفادات کے بارے میں بھی صحیح فیصلوں تک پہنچنے میں ناکام ہو جایا کرتا ہے، حتیٰ کہ صحیح فیصلے سوجھ جانے کے بعد بھی کسی وجہ سے ان کے مطابق عمل درآمد کرنے کی توفیق نہیں پاتا وہ اپنی عقل و فہم سے خدا اور اس کے دین کے معاملے میں دس فیصد بھی اگر صحیح فیصلے حاصل کر سکے اور پھر ان دس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو ایک کو بھی عملاً تسلیم کرلے سکے تو بہت بڑی بات ہوگی۔ یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ تاریخ کا کوئی باب بھی مذہبی اختلافوں اور تصادموں کے تذکرے سے خالی نہیں ہے تو یہ دراصل عقل و دانش کو کبھی غلط استعمال کرنے، کبھی استعمال ہی نہ کرنے اور کبھی اس کے کہے کو جان بوجھ کر ٹھکرا دینے کا ہی نتیجہ ہے۔

عقل اور فطرت کے حجابات

یہ پہاڑ جیسی غلطی انسان سے کیوں سرزد ہوتی رہتی ہے؟ اپنی سب سے قیمتی متاع، عقل اور فطرتِ سلیم کے ساتھ اس نے اس ظلم کو کیسے روا رکھا؟ یہ ایک بڑا اہم سوال ہے جو اس موقع پر لازماً ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے اس کا جواب معلوم کرلیا جائے۔

یوں تو اس غلطی اور اس ظلم کے اسباب و عوامل متعدد ہیں، اور بہت سی چیزیں ہیں جو دین و مذہب کے سلسلے میں آدمی کی عقل پر اور اس کی خیر پسند فطرت پر پردے ڈال دیا کرتی ہیں۔ لیکن ان میں سے تین ہی عوامل ایسے ہیں جن کا رول اس معاملے میں بنیادی ہوا کرتا ہے۔

۱۔ پہلا بنیادی اور نمایاں سبب تو آدمی کی جبلی ضرورتیں اور طبعی خواہشیں ہیں۔ یہ خواہشیں بڑی طاقت ور اور منہ زور واقع ہوئی ہیں۔ اگر انسان انھیں قابو میں نہ رکھ سکے، اور بالعموم ایسا ہی ہوتا بھی ہے، اور انھیں آزاد چھوڑ دے تو وہ بالکل بے لگام ہو رہتی ہیں، یہاں تک کہ اس کے اندر کسی ایسے عمل اور اقدام کی ہمت، بلکہ اس کا ارادہ تک باقی نہیں رہنے دیتیں جو انھیں گوارا نہ ہو۔ اور جب آدمی کسی اچھے کام کے کرنے کا ارادہ بھی کر سکنے کے قابل نہ رہ گیا ہو تو چاہے اس کی عقل کا کہنا کچھ بھی ہو اس پر وہ کان بھی نہیں دھر سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ اپنی عقل سے کام لینے میں ناکام رہتا ہے۔ شراب کا رسیا خوب جانتا ہے کہ یہ ام الخبائث اس کی صحت، اس کی دولت اس کا ذہنی اعتدال اور اس کی اخلاقی پاکیزگی، سب کو چاٹے لے رہی ہے، مگر ان ساری تباہ کاریوں کو آنکھوں دیکھتے ہوئے بھی وہ دل کے ہاتھوں مجبور بنا رہتا ہے اور عقل غریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ایک سن کر نہیں دیتا۔ یہ امر واقعی اس حقیقت کی زندہ مثال ہے۔

۲۔ دوسرا بڑا سبب قومی تعصب، باپ دادا کی اندھی تقلید، موروثی افکار و عقائد اور رسوم و رواج سے گہری وابستگی ہے۔ آدمی معقول سے معقول بات کو بھی محض اس بنا پر حقارت سے ٹھکرا دیا کرتا ہے کہ وہ "باہر" سے آئی ہوئی ہے اور اس کے اپنے قدیم ماضی کی مخالف ہے۔ گویا اس کے سوچنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ جو چیز اس کے اپنے ہاں کی ہو وہی صحیح اور قابلِ التفات ہے، اور اس کی قومی عزت و عظمت کا تقاضا ہے کہ اسے ہر حال میں دانتوں سے پکڑے رہے۔ یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہو گی کہ وہ اس کے غلط اور قابلِ ترک ہونے کا تصور بھی دل میں لائے۔

۳۔ تیسرا عام اور وسیع و عالم گیر سبب فکر و نظر کی خامی ہے۔ ایسے لوگ کثرت سے ہر طرف موجود دیکھے جا سکتے ہیں جو دین کے سب سے اہم اور سب سے نازک مسئلے پر غور و فکر کرتے بھی ہیں تو غور و فکر کا حق ادا نہیں کرتے۔ ان کے سوچنے کا ڈھنگ سطحی اور بے تکا ہوتا ہے اور ان کے استدلال میں پھسپھساپن اور بھینگاپن کام کر رہا ہوتا ہے۔ چند قدم چلے نہیں کہ غلط رخ پر مڑ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ خدا کو بھی مانتے ہوں گے اور آخرت کے محاسبے کو بھی تسلیم کرتے ہوں گے۔ مگر اس "ماننے اور تسلیم کرنے" کی تفصیل میں جانے کے بعد ان کا یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہو کر رہ جاتا ہو گا۔ تکوینی حیثیت سے تو وہ ساری عظمتوں کا مالک اللہ رب العالمین ہی کو سمجھتے ہوں گے، اسی کو ساری کائنات کا خالق اور پروردگار، آقا و حکم راں مانتے ہوں گے۔ مگر اس کی تشریعی حیثیت کا سوال سامنے آتے ہی اسے عرش سے اتار کر فرش پر لا بٹھاتے ہوں گے، اور اسے کبھی دنیا کے حکم رانوں پر قیاس کر کے "شرک" کی گندگی میں جا گرتے دکھائی دیں گے، اور کبھی اس کی ذات واجب الوجود کو فانی مخلوقات پر قیاس کر کے "تشبیہہ" کی گمراہی میں جا پڑتے نظر آئیں گے، حالانکہ ان میں سے ہر قیاس بداہتہً قیاس مع الفارق ہوتا ہے۔

یہی حال ان کے نام نہاد ایمان بالآخرت کا بھی ہو گا۔ قیامت، آخرت اور محاسبۂ اعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو تسلیم کرنے کا انھیں دعویٰ بھی ہوگا، مگر ساتھ ہی کچھ ہستیوں کی شفاعت کے بل پر بہر حال پروانۂ مغفرت حاصل کر لینے کا من مانا عقیدہ بھی رکھتے ہوں گے، جس کے بعد آخرت اور اس کے محاسبے پر ایمان رکھنے کے کوئی معنی ہی نہیں باقی رہ سکتے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے لفظوں میں پہلے سبب کا نام "حجابِ طبع" یا "حجاب نفس"، دوسرے کا "حجاب رسم" اور تیسرے کا "حجابِ سُوءِ معرفت" ہے[1]

عقل انسانی کے ان حجابات میں سے کسی کی بھی کارستانیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بنی آدم کی بہت بڑی اکثریت انہی حجابات کی تاریکیوں میں گم، اور ان کی پیدا کی ہوئی محرومیوں کا شکار بنتی چلی آرہی ہے۔ غیر دینی معاملات سے تو انھیں کوئی خاص غرض نہیں ہوتی، مگر خدا اور مذہب کے معاملے میں وہ آدمی کے دل و دماغ پر کالی گھٹا بن کر چھا جایا کرتے ہیں، اور پھر ایسا بہت کم ہونے پاتا ہے کہ وہ چھٹ جایا کریں الا لمن یشاء اللہ۔

مذاہب کی تقسیم

یوں تو دنیا میں بے شمار مذاہب پائے جاتے ہیں، مگر دیانت اور صداقت کی کسوٹی پر اگر کس کر دیکھا جائے تو وہ دو ہی قسموں میں منقسم نظر آئیں گے: صحیح اور برحق مذہب، اور غلط و ناحق مذہب۔ صحیح اور برحق مذہب تو ایک ہی ہے، اور ایک ہی ہو سکتا ہے، جب کہ غلط اور حق سے ہٹے ہوئے مذہب متعدد ہیں اور یہ اس لئے کہ ان میں سے جو مذہب عقل و دانش کے صحیح فیصلہ کے مطابق ہوگا اسی کو برحق کہا جا سکے گا، اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ عقل و دانش کا صحیح فیصلہ ایک ہی ہو سکتا ہے جب کہ اس کے غلط استعمال کے کئے ہوئے فیصلے بہت سے ہو سکتے ہیں۔

یہی ایک صحیح و برحق مذہب ہے جسے "اسلام" کہتے ہیں۔ اس کے سوا جو کچھ ہے،

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول ص ۵۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جتنے مذاہب اور نظامہائے فکر و عمل ہیں ان سب کی تعبیر کے لئے ایک جامع لفظ "جاہلیت" ہے۔ جاہلیت کا لفظ سن کر کان نہ کھڑے کرنے چاہئیں، نہ برا ماننا چاہیئے۔ یہ اسی ایک سچے مذہب، اسلام کی ایک اصطلاح ہے، اور اس سے مراد مذہبی یا اخلاقی نوعیت کی ہر وہ چیز اور طور طریقہ ہے جس کا سرچشمہ اللہ کا دین، یعنی اسلام نہ ہو۔ ایسی ہر چیز کو جاہلیت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد، کم از کم اسلام کی نگاہ میں، اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی ہدایت اور وحی پر نہ ہوگی جو بے آمیز اور عند اللہ پسندیدہ ہو۔ بلکہ براہ راست یا بالواسطہ، اس کے ماننے والوں کے اپنے جذبات اور اپنی ذاتی پسند پر ہوگی، اور عربی زبان و ادب کی رو سے اسی اتباع جذبات کا نام جاہلیت ہے۔[۱]

جاہلیت کی دین بیزاری اور دنیا نوازی

جاہلیت کے اندر نشو و نما اور ارتقار کی زبردست صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ مسلسل ترقی کرتی اور انسانی ذہن میں مضبوطی سے جمتی چلی جاتی ہے۔ اور جوں جوں اس کے اندر وسعت اور گہرائی آتی جاتی ہے، عقلِ صحیح اور فطرتِ سلیم سے اس کی دوری بڑھتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک وقت چل کر وہ آدمی کے ذہن سے اس تصور کو بھی نکال باہر کرتی ہے کہ وہ "انسان" ہے، اور یہ باور کرا دیتی ہے کہ وہ بس اونچے درجے کا ایک حیوان ہے۔ اور یہ خیال ایسا خیال ہوتا ہے جس کے بطن سے مادیت، عشق دنیا، خود غرضی، لذت پرستی، ظلم، سرکشی، استکبار اور فساد فی الارض جیسی برائیوں کے سوا اور کچھ پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ انانیت کی حد یہ ہوتی ہے کہ یہ انسان نما مخلوق مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً کا نعرہ بلند کرنے سے بھی باز نہیں رہتی۔ اور اگر اس جذبۂ انانیت

---

[۱] شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے "جاہلیت" کا مفہوم یہ بیان کیا ہے اور بالکل صحیح بیان کیا ہے:۔ "ہر وہ کام جاہلیت کا کام ہے جسے لوگوں نے اختیار کر رکھا تھا لیکن اسلام نے اسے برقرار نہیں رکھا۔ بس امورِ جاہلیت میں وہ ساری چیزیں داخل ہیں جنھیں لوگ اپنائے ہوئے تھے اگرچہ اسلام نے ان کا نام لے کر ان سے منع نہ کیا ہو"۔ (اقتضاء الصراط المستقیم صـ۵۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مذہبی بھیس میں ظہور کرنے کی سوچی تو اللہ رب العالمین تک کو چیلنج دے دیتی ہے اور اسے، بزعم خویش، کائنات کی فرماں روائی سے معزول کر کے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کا اعلان کر دیتی ہے۔

ابھی جو یہ واضح کیا جا چکا کہ جاہلیت سے مراد ہر وہ مذہبی یا اخلاقی نوعیت کا کام یا خیال یا طور طریقہ ہے جس کا سرچشمہ اسلام نہ ہو، اس سے اس سوال کے اٹھنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ جب جاہلیت عقل کے غلط استعمال کا یا عدم استعمال کا نام ہے تو ان قوموں کو دنیوی اور تمدنی حیثیت سے بھی انتہائی پسماندہ ہونا چاہئیے جو اسلام کے بقول 'جاہلی' قومیں ہوں۔ 'مذہبی نوعیت' کی قید اس سوال کو بالکل خارج از بحث قرار دے دیتی ہے۔ اور اس حقیقت کی طرف کھلا اشارہ کر دیتی ہے کہ یہ جاہلیت وہ 'جاہلیت' ہے جس کی مار آدمی کی اس سوجھ بوجھ پر نہیں پڑا کرتی جس کا تعلق دنیا کے معاملات و مفادات سے ہوتا ہے بلکہ عقل انسانی کی کارکردگی کے صرف اخلاقی رخ پر حملہ کرتی ہے، اس کے طبعی اور مادی رخ سے تعرض نہیں کرتی۔ کیونکہ انسان کا مادی ترقی کی سمت میں بڑھنا اس کے مقصد کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا، بلکہ بالعموم معاون و مددگار ہی بنا کرتا ہے اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ انسان کو جس قدر زیادہ معاشی، تمدنی اور سیاسی عروج حاصل ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کا رشتہ خدا اور آخرت' دین اور اخلاق سے عموماً کمزور پڑتا جاتا ہے۔ اور یہی جاہلیت کو مطلوب ہے۔ پھر وہ لوگوں کی دنیوی ترقی کی راہ میں بھی مزاحم کیوں بنے۔ جاہلیت میں ڈوبی ہوئی قومیں جہاں اخلاقی اور روحانی حیثیت سے بانجھ ہوتی ہیں وہاں دنیوی اور مادی حیثیت سے بڑی عاقل اور 'زرخیز' بھی ہو سکتی ہیں، ہوتی رہی ہیں، آج بھی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔ چنانچہ جن جاہلیت زدہ قوموں کی اخلاقی موت کی داستانیں ابھی آگے آ رہی ہیں، ان میں سے اکثر و بیشتر اپنے زمانوں کی نہایت ترقی یافتہ قومیں رہی ہیں۔ عاد اور ثمود کے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے کہ جہاں وہ اخلاق اور دین کے معاملے میں اندھے پن کی انتہاؤں پر پہنچے ہوئے تھے وہاں دنیا اور اس کے معاملات کے سلسلے میں بڑی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ (وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عنکبوت ۔ ۳۸) قومِ عاد اتنی زور آور اور باجبروت تھی کہ دنیا نے اب تک ایسی قوم دیکھی نہ تھی، اور تمدنی شان وشوکت بھی اس کی بے مثال تھی (اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۔ فجر۔۸) نیز فوجی طاقت کے لحاظ سے اپنے عہد کی "سپر پاور" تھی (وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ۔ شعراء:۱۳۰) قومِ ثمود کی بابت قرآن بتاتا ہے کہ وہ بھی اپنے دور کی انتہائی ترقی یافتہ قوم تھی۔ علم وفن، خصوصاً فنِ تعمیر میں کمال کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ میدانی علاقوں میں اس نے شاندار محل، اور کوہستانوں میں پہاڑوں کو تراش کر بڑے بڑے مکان اور قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ (تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۔ اعراف۔۷۴) قومِ شعیب تجارت کے میدان کی شہسوار تھی اور اپنی کوششوں اور شاطرانہ چالوں سے اپنے کاروبار کو بامِ عروج پر پہنچائے ہوئے تھی۔ قومِ فرعون کا جاہ وجلال دنیا پر روشن ہی ہے۔ قریشِ مکہ ایک طرف عرب کے "برہمن" بنے ہوئے تھے تو دوسری طرف بحرِ احمر کے کنارے کنارے گذرنے والی بین الاقوامی تجارتی شاہراہ کے گویا تنہا مالک تھے۔ یہ ساری شہادتیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ جاہلیت کو اگرچہ عقلِ انسانی کے اخلاقی رجحانات سے انتہائی بیر ہے مگر اس کا مادی رجحان اور دنیوی معاملات میں اس کی کارکردگی نہ صرف یہ کہ اسے ناپسند نہیں بلکہ بڑی محبوب ہے۔

اسلام اور جاہلیت کی دائمی کشمکش

اختلاف خصوصاً دینی افکار کے سلسلے کے اختلاف کا یہ مزاج ہی نہیں کہ اپنی حدوں میں خاموشی کے ساتھ سمٹا رہے۔ اس کے بخلاف یہاں ہر فریق کی زبردست خواہش اور مسلسل کوشش رہتی ہے کہ وہ مخالف کو زیر کرلے۔ اس لئے خیر وشر اسلام اور جاہلیت میں شروع ہی سے ایک کشمکش برپا ہے، جو نہ کبھی ختم ہوئی ہے نہ کبھی ختم ہونے والی ہے ٹکرانے کو تو شر وجاہلیت کے مختلف مظاہر اور مکاتبِ فکر بھی باہم ٹکراتے رہتے ہیں، مگر ان کا ٹکراؤ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد کی باہمی آویزش سے زیادہ اور کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ آویزش اکثر اوقات صلح و مسالمت میں بھی بدل جایا کرتی ہے۔ مگر اسلام اور جاہلیت کا ٹکراؤ ایسا ٹکراؤ ہے جو ناپید اکنار

©rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہ کبھی بقائے باہم کی سوچ ہی نہیں سکتے۔ اس لئے ان دونوں کی باہمی جنگ سب سے زیادہ کھلی ہوئی، سب سے زیادہ حقیقی اور سب سے زیادہ سخت و شدید ہوتی ہے۔

دنیا کا سارا ہنگامہ بڑی حد تک انہی دونوں پیدائشی حریفوں، اسلام اور جاہلیت، کی کشاکشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ایسی ضد واقع ہوئی ہیں کہ ایک کی زندگی دوسرے کی موت کا نام ہے۔ جس طرح رات کی فطری تاریکی کسی ایک ذرے پر بھی سورج کی کرنوں کا پرتو گوارہ نہیں کر سکتی، اور جس طرح سورج کی تیز نگاہیں کسی گوشے میں بھی تاریکی کے کسی دھبے کو باقی نہیں دیکھ سکتیں، ٹھیک اسی طرح عالم باطن کی روشنی اور تاریکی بھی ایک دوسرے کی جانی دشمن ہیں اور ان کے درمیان مصالحت کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا۔ باطل کی ہر ادا حق کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، اور حق کی ہر آواز باطل کے لئے یکسر قابل نفرت قرار پاتی ہے۔

ان دونوں قوتوں کی اس دائمی کشمکش کا 'محور' انسان کی ذات ہے۔ ان میں سے ہر ایک اسے پوری طرح فتح کر لینا چاہتی ہے۔ اور ان کی اسی کشمکش میں اس کی آزمائش ہو رہی ہے۔ نتیجے کے طور پر انہی کی ہار جیت پر اس کی سعادت اور شقاوت موقوف رہتی ہے۔

وحی الٰہی کی رہنمائی اور مدد

اسلام اور جاہلیت کی اس زبردست کشاکش کی منجدھار میں پڑے ہوئے انسان کو اس کے خالق اور پروردگار نے اپنے حال پر نہیں چھوڑ رکھا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس نے اس آزمائش سے اس کے سرخرو نکل سکنے کے لئے تدبیروں اور کوششوں کا سارا بوجھ اس کی اپنی عقلی قوت اور فطری صلاحیت ہی پر ڈال رکھا ہو۔ حالانکہ اگر ایسا ہوا ہوتا تب بھی انصاف کے خلاف نہ ہوتا۔ مگر یہ صرف "خشک" اور نرے قانونی انصاف کی بات ہوتی۔ ایسے انصاف کی بات نہ ہوتی جو اس خالق اور پروردگار کے رؤف ورحیم اور ہادی وحکیم ہونے کے شایانِ شان کہی جا سکتی۔ اس لئے اس کی مشیت کا بجا طور پر یہ فیصلہ ہوا کہ وہ انسان کو اس آزمائش میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیاب ہونے کے لیے عقل اور فطرتِ سلیم کے سوا کچھ اور بھی دے، ایسی چیز دے جو اس کی عقل کو بہکا دے سے، اور اس کی فطرت کو بہلا دے سے بچا لینے والی ہو۔ یہی وہ چیز ہے جس کو 'وحیِ الٰہی' کہتے ہیں۔ یہ وحیِ الٰہی انسان کی عقل کو روشنی دکھاتی اور اس کی فطرت کا تزکیہ کرتی ہے یہاں تک کہ اس کے اندر فرشتوں سے بھی بازی لے جانے کی طاقت پیدا کر دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ خود اس کا طالب ہو۔ یہ وحی سراپا ہدایت ہوتی ہے، جو پوری وضاحت اور کامل صراحت کے ساتھ انسان کو بتا اور سمجھا دیتی ہے کہ حق یعنی اسلام کی مرادِ مستقیم فی الواقع کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی 'صورت' کیسی ہے؟ اس کے متعین تقاضے کیا ہیں۔ باطل یعنی جاہلیت سے اس کی سرحدیں کس کس طرح الگ ہوتی ہیں؟ اور اس کی پیروی انسان کے لئے کیوں ضروری ہے؟ اس آسمانی ہدایت کا قبول کرنا یا نہ کرنا ہر شخص کی اپنی آزاد مرضی پر موقوف ہے۔ کیونکہ اگر یہ آزادی انسان کو حاصل نہ ہوتی تو نہ صرف یہ کہ یہ سارا ہنگامۂ حق و باطل سرد پڑ کر رہ جاتا' بلکہ انسان کے پیدا کئے جانے کا مقصد بھی فوت ہو رہتا۔ جو کوئی اس رہنمائی کے قبول کر لینے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور اس فیصلہ کو عمل کی شکل دے دیتا ہے' وہ اس کی عقل کو 'فرقان' عطا کر دیتی اور اسے صحیح معنوں میں 'اُولُوا الْاَلْبَاب' (اہلِ دانش) کے زمرہ میں شامل کر دیتی ہے۔ اس کے بعد وہ جو کچھ سوچتا ہے ٹھیک رخ سے سوچتا ہے' جو کچھ کرتا ہے صحیح ڈھنگ سے کرتا ہے' اس کا ہر قدم صحیح ارتقار کا قدم ہوتا ہے' اور اس کی زندگی خوش کام نیک انجام زندگی بن جاتی ہے۔ اسی حقیقتِ واقعی کو سامنے رکھتے ہوئے اس رہنمائی کو اللہ رب العالمین کی سب سے بڑی نوازش ہی کہا جا سکتا ہے' جسے قرآن حکیم نے بالکل بجا طور پر 'رحمت' اور 'نعمتِ کاملہ' فرمایا ہے' لیکن جس کے ایک بڑے حصہ (شریعت) کو اسرائیلی نادانوں نے' اُس وقت جب ان پر دنیا پرستی اور خدا فراموشی کی موت طاری ہو گئی تھی' 'لعنت' قرار دے دیا تھا' اور آج 'متمدن' اور 'روشن خیال' دنیا اس سے بھی کچھ زیادہ کہہ رہی ہے۔ اسلام اسی وحیِ الٰہی کا اصطلاحی نام ہے' اور توحید' رسالت اور آخرت کے عقائد اس کے بنیادی پتھر ہیں' جن پر خدا کی بندگی کا ایک پورا نظامِ فکر و عمل تشکیل پائے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہ عقائد اور یہ نظام بندگی انسان کے پورے وجود کو حق کے سانچے میں ڈھال دینے اور خیر کا پیکر بنا دینے کا تنہا ذریعہ ہیں، کامل اور کافی وشافی ذریعہ۔

جاہلیت کی یلغار

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وحی اور اس رہنمائی کے عطا کئے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جاہلیت اس کے آگے دم بخود ہو کر رہ گئی ہو گی، اور اب انسان، اس کے حملوں کے اندیشے سے آزاد ہو گیا ہو گا۔ وہ اتنی بودی اور کم ہمت نہیں ہے کہ وحی و ہدایتِ الٰہی کا نام سن کر از خود ڈگیں ڈال دیتی۔ اس کے میگزین میں اسلحوں کی کوئی کمی نہیں۔ اس لئے وہ جس طرح انسان کی عقل کو گھیرے میں لے لیتی ہے اسی طرح اس کی مدد اور رہنمائی کے لئے اوپر سے آنے والی اس وحی الٰہی پر بھی ہلہ بول دیا کرتی ہے۔ اور اس کے اس ہلے کا خاص نشانہ اس وحی الٰہی کی بنیادی تعلیمات توحید۔ رسالت اور آخرت۔ ہوتی ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ ہدایت الٰہی کی اس آہنی فصیل کو توڑ دینے کے بعد ہی اس کی فاتحانہ پیش قدمی کے لئے راہ ہموار ہو سکے گی۔

جن لوگوں پر یہ حملے کامیاب ہو جاتے ہیں ان کی عقلیں حق وصداقت کے بارے میں ماؤف ہونے لگتی ہیں اور ان کے منہ ہدایتِ الٰہی کی طرف سے مڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور ادھر سے منہ مڑے نہیں کہ نفسانیت اور جاہلیت پوری تیزی سے ان پر لپٹ پڑتی ہے۔ پھر وہ جس قدر اس کی گرفت میں آتے جاتے ہیں اسی قدر وہ فطرتِ سلیم کی روشنی سے محروم دینی حقائق کے ادراک سے عاجز اور حق شناسی کی صلاحیت سے بے بہرہ ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ وقت آجاتا ہے جب ان کے دلوں کا زنگ آلود آئینہ سچائی کا کوئی عکس قبول کرنے کے لائق نہیں رہ جاتا اور ان کا ذہن مادیت کے حصار کا قیدی بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے سامنے اگر انسانی زندگی کا کوئی ماورائی مقصد رکھا جائے، خالص اور مکمل خدا پرستی کی دعوت پیش کی جائے، رسالت کی ضرورت اور آخرت کی اہمیت بیان کی جائے، حقیقی علم کی نشان دہی کی جائے اور اس طرح انہیں سچی فلاح کی راہ دکھائی جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ ان باتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ماننے پر تیار نہ ہو سکیں گے بلکہ انھیں بالکل ہی ناقابل فہم سمجھیں گے، ان پر حیرت کا اظہار کریں گے، دیوانگی کی بڑ قرار دیں گے، اور پھر یا تو دعائے دانش مندی کی ایک خاص شان کے ساتھ زیر لب مسکرا کر رہ جائیں گے یا ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیں گے۔ ان کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ وہ کیا سن رہے ہیں؟ اپنی عقل و فہم کو ان اعلیٰ حقائق سے اس قدر بیگانہ اور ناآشنا پائیں گے کہ سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھر لیں گے، اور فرمائیں گے کہ ان "بے ہنگم" باتوں کا پیش کرنے والا یا تو دیوانہ ہے یا سحر زدہ ہے، شاعری کر رہا ہے یا جھوٹا اور مفتری ہے، اور ڈھونگ رچا کر اپنی کوئی خاص غرض پوری کرنا چاہتا ہے۔

تاریخ کی شہادتیں

مذاہب کی، اور انبیائی دعوتوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیے، ورق ورق پر یہی داستان لکھی ہوئی ملے گی بالکل ایک سے لفظوں میں ملے گی۔ کیونکہ جاہلیت کا مزاج ہمیشہ یکساں رہا ہے، اور اسلام کی فطرت بھی کبھی بدلنے والی نہیں۔ اس لئے ان دونوں میں جب بھی ٹکراؤ ہوا اس ٹکراؤ کی کیفیت اور نوعیت بھی سدا ایک ہی سی رہی اور اس کا انجام بھی ایک جیسا رہا:۔

(۱) قومِ نوحؑ

تاریخ کا معلوم دور حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔ آپؑ صرف "آدم ثانی" ہی نہیں ہیں، بلکہ ان انبیاء کے سلسلے کی پہلی کڑی بھی ہیں جن کی نبوتوں اور دعوتوں کا تاریخی ریکارڈ اس وقت محفوظ پایا جا رہا ہے۔ آپؑ کی دعوت کے تاریخی ریکارڈ کی ضروری تفصیل یہ ہے:۔

حضرت نوحؑ نے جب اپنی دعوت کا اعلان کر کے دعوتِ حق کا پہلا اور بنیادی نکتہ لوگوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ تمام جھوٹے اور خود ساختہ معبودوں کو چھوڑ کر صرف خدائے واحد کی بندگی کرو تو ان کے بڑوں اور سربراہوں (ملاء قوم) نے اسے سختی کے ساتھ رد کرتے ہوئے اپنے عوام کو تلقین کی کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا	اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور کبھی
تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا	نہ ترک کرنا (حضرت) ود اور سواع کو،
وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا	اور نہ (حضرت) یغوث کو، یعوق کو
(نوح - ۲۳)	اور نسر کو۔

اور حضرت نوح کو انھوں نے یہ جواب دیا کہ:۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ	ہم تمہیں کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھ
(اعراف - ۶۰)	رہے ہیں۔

یعنی ان "دانش مندوں" کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو لاشریک ماننا کوئی معمولی ضلال نہ تھا، بلکہ "ضلال مبین" تھا، ایسا ضلال تھا جس کے ضلال ہونے میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتی تھیں، اور یہ بات دو دو چار کی طرح واضح اور بدیہی تھی کہ اگرچہ اس عظیم کائنات کو پیدا کیلے اللہ ہی نے کیا ہے لیکن اسے چلا رہے ہیں بہت سے خدا، اور بہت سے خدا ہی اسے چلا سکتے ہیں، اور یہ صریح نادانی اور گمراہی کی بات ہے کہ خدائی کے سارے اختیارات اور حقوق صرف ایک ہی خدا کے لئے مختص سمجھ لئے جائیں۔ حضرت نوحؑ نے انھیں جواب دیا کہ امر واقعی وہ ہرگز نہیں ہے جو تم سمجھ اور کہہ رہے ہو، بلکہ ٹھیک اس کے برعکس ہے۔ ضلالِ مبین میں میں مبتلا نہیں ہوں، بلکہ تم خود مبتلا ہو، اور اس لئے ہو کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے اور تمہارے دل و دماغ پر جہل اور جاہلیت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ (وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ہود۔ ۲۹) اور پھر جاہلیت کا یہ پردہ اس وقت تک نہ ہٹ سکا جب تک کہ اس کا اخلاقی نتیجہ ظہور میں نہ آگیا اور خدائے قہار کا عذاب ان پر برس نہ پڑا۔ اور بعضوں کی آنکھ پر تو یہ پردہ اس وقت بھی پڑا ہی رہ گیا، وہ اب بھی خدائے قادرِ مطلق کو کوہِ جودی سے فروتر گمان کرتے رہے۔

اسی طرح جب آپؐ نے اپنی رسالت پر ایمان لانے کا ان سے مطالبہ کیا تو اس کے جواب میں بھی اسی انکار، حیرت اور استعجاب کا اظہار کیا گیا جو دعوتِ توحید کے سلسلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کیا گیا تھا۔ انھوں نے کہا' بالفرض معبود حقیقی ہو اور اس نے چاہا بھی ہو کہ ہم انسانوں کے پاس اپنا کوئی پیام بر بھیجے، تب بھی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہمارے ہی جیسے ایک آدمی کو اس غیر معمولی منصب کے لئے اس نے منتخب کیا ہو؟ تم تو ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہو، پھر کس منہ سے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں؟ اگر اللہ کو اپنا کوئی فرستادہ مقرر کرنا ہی ہوتا تو اس نے اپنے کسی مقرب فرشتہ کو مقرر کیا ہوتا (مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ..... وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً۔ المومنون ۲۴)

اور یہ کہہ کر انھوں نے نہ صرف یہ کہ آپؑ کے نبی ہونے کو ناقابلِ فہم اور ناقابل قبول ٹھہرا دیا بلکہ پورے سلسلۂ رسالت کا اور نفس رسالت ہی کا انکار کردیا۔ کیونکہ ایک حضرت نوحؑ ہی نہیں، سارے انبیاء بشر ہی ہوئے ہیں۔ اس لئے اگر بشریت کی 'دلیل' کی بنا پر آپؑ کو نبی نہیں مانا جا سکا تو یہ صرف آپؑ ہی کی نبوت کا انکار نہیں تھا، بلکہ سبھی نبیوں کی نبوت کا اور نفس نبوت ہی کا انکار تھا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی خود قرآن نے تصریح فرما رکھی ہے (كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ۔ شعراء۔ ۱۰۵)

پھر یہ انکار بھی انکارِ محض نہیں تھا، بلکہ تعجب بھرا انکار تھا۔ ان کے اسی تعجب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت نوحؑ نے فرمایا تھا:۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ	اور کیا (تم میری نبوت کے منکر ہو اور تمہیں)
ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى	اس بات پر حیرت ہے کہ تمہارے رب
رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ	کی طرف سے تمہارے اندر کے ایک آدمی
وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ	پر حق کی یاد دہانی آئی ہے، تاکہ وہ تمہیں (آخرت
تُرْحَمُوْنَ	سے) خبردار کردے اور تاکہ تم خدا کی ناراضی
(اعراف۔ ۶۳)	سے بچ سکو اور توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جائے گا؟

حضرت نوحؑ کے اس ارشاد میں دعوتِ حق کے سارے ہی بنیادی عناصر موجود تھے، اور قوم کا اظہارِ تعجب ان سبھی باتوں پر تھا۔ آپؑ کے کہنے کا مطلب یہ تھا جب اللہ تعالیٰ ہی تمہارا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رب ہے تو اس کی ربوبیت صحیح معنوں میں ربوبیت ہو ہی نہیں سکتی تھی اگر وہ تمہاری اخلاقی اور روحانی ربوبیت اور پرورش کا بھی کوئی سامان نہ کرتا، جب کہ اس نے تمھاری جسمانی پرورش اور مادی ضرورتوں کی فراہمی کا اتنا وسیع، مکمل اور حکیمانہ نظام قائم کر رکھا ہے جس کا تم اپنی کھلی آنکھوں مشاہدہ کر رہے ہو۔ تمہاری اخلاقی اور روحانی تربیت کا یہی ناگزیر نظام تو ہے جو اللہ کے ذکر' یعنی اس کی وحی اور ہدایت کی شکل میں تمہارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس ذکر' کو تم تک پہنچانے کے لئے اگر ایک انسان کو' اور خود تمہارے اپنے ہی اندر کے ایک فرد کو منتخب کیا گیا ہے تو ایسا ہونا ہی چاہئے تھا۔ کیونکہ اس ذکر کی غرض و غایت اسی وقت پوری ہو سکتی تھی جب حسب ضرورت اس کی تشریح اور تفہیم بھی ہوتی رہتی اور اس کی پیروی کا عملی نمونہ بھی تمہارے سامنے آتا رہتا، ورنہ اس کی مطلوبہ پیروی کا طریقہ اجمال کے دھندلکے میں بڑی حد تک چھپ کر رہ جاتا' اور اللہ کی بھیجی ہوئی تعلیمات کے سارے گوشے اور تقاضے تم پر واضح نہ ہو سکتے اور جب ان تعلیمات کے سارے گوشے اور تقاضے واضح نہ ہو سکتے تو ان کی پیروی کا حق بھی ادا نہ ہو سکتا۔ یہ عظیم مصلحت اسی وقت پوری ہو سکتی تھی جب تمہارے ہی جیسے جذبات و احساسات اور تمہاری ہی جیسی فطری ضرورتیں رکھنے والی کسی مخلوق کو اس منصب رسالت پر مامور کیا جاتا۔ اور یہ مخلوق بداہتہً انسانی مخلوق ہی ہو سکتی ہے۔ کوئی فرشتہ یا کوئی اور مخلوق نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ فرشتہ یا کوئی اور مخلوق نہ بشری ضرورتیں رکھتی ہے نہ انسانی جذبات اور احساسات کا ادراک کر سکتی ہے، اور جب وہ ان ضرورتوں اور جذبات و احساسات کا ادراک نہیں کر سکتی تو وہ تمہارے مسائل کو سمجھ بھی نہیں سکتی، اور جب وہ نہ تمہاری فطری ضرورتوں اور مانگوں کو محسوس کر سکتی نہ ان ضرورتوں اور مانگوں کی بنا پر پیدا ہونے والے مسائل کو سمجھ سکتی تو ان کے سلسلے میں تمہاری مبنی بر ضرورت اور مبنی برحق رہنمائی بھی نہیں کر سکتی تھی اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ تم کو ایک بشر کے رسول خدا ہونے پر تعجب ہو۔ تعجب کی بات تو یہ ہوتی کہ تم انسانوں کی رہنمائی کے لئے کسی انسان کو نہیں، بلکہ کسی فرشتے کو یا کسی اور مخلوق کو رسول بنا کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمہارے پاس بھیج دیا جاتا۔

انکار اور اظہار تعجب کے سارے زور و شور کے باوجود حضرت نوحؑ اپنی دعوتی سرگرمیوں میں برابر لگے ہی رہے، جیسا کہ ایک داعیِ حق کی حیثیت سے انھیں لگا رہنا ہی چاہیے تھا انھوں نے لوگوں کے ذہن پر سے جہل اور ہٹ دھرمی کا زنگ کھرچ پھینکنے کی کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی۔ ان کی عقلوں کو بھی جھنجھوڑتے رہے اور ان کے انسانی جذبات سے بھی اپیل کرتے رہے۔ سمجھاتے رہے اور برابر سمجھاتے رہے۔ آہستہ بھی سمجھایا اور بالجہر بھی سمجھایا۔ اعلان کے ساتھ بھی سمجھایا اور اسرار کے ساتھ بھی سمجھایا۔ مگر قوم کا رٹا رٹایا جواب یہ ہوتا کہ "یہ تو ایک پاگل آدمی ہے" (اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ۔ مومنون۔ ۲۵) اور اس سے ان کا مدعا آنجناب کو صرف ایک خاص انداز کی گالی دے دینا نہیں تھا، بلکہ دراصل وہ کہنا یہ چاہتے تھے کہ جس طرح کسی پاگل شخص کی باتیں سراسر بے عقلی اور بدعقلی کی ہوتی ہیں اور ان کے اندر کسی ربط کسی شائستگی اور کسی معقولیت کی تلاش فضول ہے، ویسا ہی اس شخص کی باتوں کا بھی حال ہے۔ لیکن اس "پاگل" اور "مجنون" نے، جس کے "جنون" پر ہزاروں ہوشمندیاں فدا ہوں، اس گالی کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا، اور ان کی سوئی ہوئی عقلوں کو جگا دینے کے لئے برابر کوشاں ہی رہے۔ مگر یہ عقلیں تو غفلت کی نہیں، موت کی نیند سو چکی تھیں (اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ۔ اعراف۔ ۶۴) اس لئے ان کا آخری فیصلہ بھی اس کے سوا کچھ نہ ہو سکا کہ :۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ	نوح! اگر تم (اب بھی اپنی بکواس سے)
لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ	باز نہ آئے تو ہم تم کو ضرور ہی پتھر مار مار
(شعرا۔ ۱۱۶)	کر ہلاک کر دیں گے۔

آخر کار اس سین کا اس وقت پردہ گر گیا جب زمین سے امنڈا اور آسمان سے ٹوٹا ہوا طوفانِ ہلاکت ہر طرف چھا گیا۔ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

(ہود۔ ۴۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) قومِ ہودؑ (عاد)

قوم نوحؑ کے بعد قوم عاد تاریخ عالم کی ایک مشہور اور زبردست قوم کی حیثیت سے ابھر کر نمایاں ہوئی اور حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اللہ کے رسول کی حیثیت سے تشریف لائے۔ دونوں طرف پھر وہی صورت حال تھی۔ قوم سرتاپا جاہلیت میں غرق تھی۔ اس لئے آپؑ کی دعوت کا بلند ہونا تھا کہ ایک سخت کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ اِدھر سے دینِ حق کی جو بات بھی پیش کی گئی اُدھر سے اس کا جواب انکار، استعجاب، استہزاء اور اظہارِ غیظ کی شکل میں دیا گیا۔ ہدایت الٰہی کے ہر نکتے کے بارے میں کہا گیا کہ یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہے، ایسے خیالات تو آج تک کبھی سننے ہی میں نہیں آئے تھے' ان کا ماننا نہ ماننا تو بعد کا مسئلہ ہے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ باتیں کسی طرح قابل فہم ہیں بھی ؟ آخر یہ کوئی سمجھ میں آنے والا دعویٰ ہے کہ ایک اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہے ہی نہیں، نہ ہو سکتا ہے ؟ اور اس خدا سے ہم حقیر انسانوں کا راست تعلق ہے' اور اس کی جناب میں اپنی گذارشیں پہنچانے کے لئے کسی شفیع کی ضرورت بھی نہیں۔ پھر تمہارا یہ کہنا بھی کتنا عجیب ہے کہ تمام لوگوں کو مر کر مٹی ہو جانے کے بعد ایک روز از سر نو زندہ کیا جائے گا۔ بھلا یہ دعویٰ کبھی مان لئے جانے کے قابل ہو سکتا ہے کہ جو بات ہزاروں برس گذر جانے کے باوجود آج تک کبھی ظہور میں آتے دیکھی نہیں جا سکتی وہ یقیناً ظہور میں آکر رہے گی۔ ایسی لایعنی بکواس پر بہ سلامتی ہوش و حواس کوئی کیسے کان دھر سکتا ہے ؟ ہمارے ایسے ایسے بزرگ تو ان نام نہاد حقائق سے بے خبر گذرتے چلے گئے، مگر آج تم جیسے ایک معمولی شخص پر سب کچھ منکشف ہو گیا ہے ! جو شخص خود بھی ہمارے ہی جیسا ایک بشر ہو اور جو عام لوگوں کی طرح کھاتا پیتا، سوتا جاگتا، بیمار پڑتا اور تکلیفیں جھیلتا اور اپنی ضروریات کے لئے بازاروں میں چلتا پھرتا ہو وہ دعویٰ کرے کہ میرے پاس رب السمٰوات والارض کے پاس سے پیام آیا ہے اور میں اس کا سفیر اور ایلچی ہوں، تو اس کے اس مہمل دعوے کو صبر کے ساتھ کون سن سکتا ہے ؟ غرض علمِ حق کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ایک بات ان جاہلیت مآبوں کے لئے ناقابل فہم اور موجب حیرت ثابت ہوئی۔ توحید کا پیغام سنا تو جھڑکتے ہوئے بولے:۔

أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ	کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم
وَنَذَرَ مَا كَانَ	اکیلے ایک خدا کی بندگی کریں اور ان سب
يَعْبُدُ آبَاؤُنَا	معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے
(اعراف ۔ ۷۰)	اسلاف پرستش کرتے رہے ہیں؟
أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا	کیا تم ہمارے پاس اس غرض سے آئے
عَنْ آلِهَتِنَا	ہو کہ ہمیں بہکا کر ہمارے معبودوں سے
(احقاف ۔ ۲۲)	برگشتہ کر دو؟

اور آخری بات یہ کہ:۔

مَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ	ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو
قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ	ہرگز نہیں چھوڑنے کے، اور تمہاری باتیں
بِمُؤْمِنِينَ (اعراف)	کبھی مان نہیں سکتے ہیں۔

ایسا ہی ردعمل آپؑ کی نبوت اور آخرت کے بارے میں ظاہر کیا گیا، جیسا کہ ان کے اس ردعمل پر حضرت ہودؑ کے اس متعجبانہ اظہار خیال سے صاف واضح ہوتا ہے:۔

.... أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ	..... کیا تم میری بات نہ مانوگے) اور
ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ	تمہیں اس بات پر حیرت ہے کہ تم ہی
رَجُلٍ مِنْكُمْ	میں سے ایک شخص کے پاس تمہارے
لِيُنْذِرَكُمْ ..... الخ	رب کی طرف سے 'ذکر' آیا ہے تاکہ تمہیں
(اعراف ۔ ۶۹)	(آخرت کی بازپرس سے) خبردار کر دے؟

اور نہ صرف یہ کہ ان کا ردعمل انکار اور تعجب کا رہا۔ بلکہ آگے چل کر اس نے چیلنج کی شکل بھی اختیار کر لی۔ انھوں نے جیسے تنگ آ کر کہا:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ — اچھا تو (اب) لے ہی آؤ وہ عذاب جس کی ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔

(احقاف - ۲۲)

غرض ان کے لئے دینِ حق کی بنیادی تعلیمات میں سے ہر چیز ایک اعجوبہ اور عقل و فہم سے یکسر بعید تھی، اور ان کا اصرار تھا کہ یہ شخص پرلے درجے کا جھوٹا اور عقل و خرد سے گیا گذرا ہے۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ — یقیناً ہم تمہیں حماقت میں مبتلا پا رہے ہیں اور ذرا شبہ نہیں کہ تم پکے جھوٹے ہو۔

(اعراف - ۶۶)

جواب میں آنجناب نے انھیں پھر سمجھانے کی کوشش کی اور فرمایا' اے میرے لوگو! میں ہرگز مبتلائے حماقت نہیں ہوں۔ ذرا ٹھہر کر سنجیدگی کے ساتھ سوچو تو سہی کہ میری کون سی بات حماقت کی ہے؟ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا رسول اور رہادی ہوں۔ کیا تم اتنی واضح بات سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو کہ تم لوگوں کو حق و صداقت کی اور فلاح و سعادت کی راہ دکھانا تمہارے پروردگار کی پروردگاری کا لازمی تقاضہ تھا۔ رہی یہ بات کہ اس غرض کے لئے اس نے مجھے اپنا ایلچی بنایا ہے' اور میں اس دعوے میں سچا ہوں، تو میری پیش کی ہوئی تعلیمات کی معقولیت پر غور کرو، میرا اب تک کا کردار اور اخلاق دیکھو، میری پیروی کے پاکیزہ نتائج پر نظر ڈالو، کیا یہ سب کچھ میرے برحق اور صادق ہونے کی شہادت نہیں ہے؟ مگر عقل کے اندھوں نے ان کی ایک نہ سنی کر دی اور ان کی تعلیمات کو بدستور ناقابل فہم قرار دیتے رہے' اور حضرت ہودؑ کی زبان سے ان باتوں کے نکلنے کی وجہ ان کی سمجھ میں صرف یہ آسکی کہ ہمارے کسی معبود نے اس شخص کی گستاخیوں پر ناراض ہو کر اس کی عقل مار دی ہے (اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۔ ہود - ۵۴) اور پھر ان مدہوشوں کو ہوش اسی وقت آسکا جب سات راتوں اور آٹھ دنوں تک چلنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والی بادِ صرصر نے انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا (سورہ حاقہ ۶۔۷)

(۳) قومِ صالحؑ (ثمود)

قومِ عاد کے بعد اس کے بقایا ثمود، اس کے جانشین ہوئے، اور حضرت ہود کی لائی ہوئی ہدایتِ الٰہی کے امین بنے۔ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ یہ امانت خیانت کی نذر ہونے لگی اور رفتہ رفتہ یہ قوم بھی جاہلیت کی آغوش میں جا پڑی۔ حضرت صالح علیہ السلام اس کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے، اور ایک بار پھر حق و باطل کا معرکہ گرم ہوگیا۔ نبوت سے پہلے حضرت صالحؑ قوم کے چشم و چراغ سمجھے جا رہے تھے اور ان سے وہ بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھی۔ مگر اپنی نبوت کا اعلان اور توحید کی پکار بلند کرتے ہی وہ اس کے لئے بڑی قابلِ نفرت شخصیت قرار پا گئے، اور لوگوں نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے ان سے کہا:-

يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا .... الخ (ہود ـ ۶۲)	صالح! اب تک ہمیں تم سے بڑی امیدیں رہی ہیں (لیکن اب یہ کیا ہوا ہے کہ) تم ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے روک رہے ہو جن کو ہمارے اسلاف پوجتے رہے ہیں؟

دعوتِ توحید ہی کی طرح آپؑ کے دعوائے نبوت کو بھی ٹھکرا دیا گیا، اور اس کی نسبت سے آپ پر تبصرہ یہ کیا گیا:-

إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا۔ (شعراء ۱۵۳، ۱۵۴)	تم تو نرے سحر زدہ ہو، تم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہو۔

قوم کے اس تبصرے میں وہی ساری بوالعجبیاں موجود تھیں جو حضرت نوحؑ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ہود علیہما السلام کی قوموں کے جوابات میں پائی جاتی رہی ہیں، اور جن کی ضروری تفصیل آپ ابھی پڑھ چکے ہیں۔

(۴) قوم لوطؑ

حضرت صالحؑ کے بعد جن اور انبیا کی بعثت ہوتی رہی، کم و بیش اسی طرح کے جوابوں اور تبصروں سے انھیں بھی 'نوازا' جاتا رہا، یہاں تک حضرت لوط علیہ السلام کی باری آئی آپؑ کو بعض نئی باتوں سے دوچار ہونا پڑا، کیونکہ آپؑ کی قوم اعتقادی جاہلیت کے ساتھ ساتھ ایک گھناؤنی قسم کی اخلاقی نوعیت کی جاہلیت میں بھی لت پت تھی۔ اس لئے آپؑ نے اسے توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت کے ساتھ ہی ساتھ اخلاقی پاکیزگی کی بھی زبردست تلقین کی۔ مگر چند ایک کو چھوڑ کر کسی نے بھی کوئی بات نہ سنی۔ سننا تو درکنار ان نکٹوں نے ان کی 'ناک' کا الٹا مذاق اڑایا۔ گویا پچھلے انبیاء کی قومیں جہاں صرف بے عقلی اور بد عقلی کا شکار رہی تھیں وہاں یہ ناہنجار قوم بے عقلی اور بد عقلی کے علاوہ عقلی سڑاند کی لعنت میں بھی گرفتار تھی۔ اس لئے توحید، آخرت اور رسالت کے بارے میں انھوں نے جو کچھ گل افشانیاں کیں وہ تو کیں ہی، دنیا کی مسلمہ اخلاقی غلاظت کے خلاف بھی کوئی نصیحت اور تلقین گوارہ نہ کی، اور پوری ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ الٹا حضرت لوطؑ اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں پر طنز کرتے ہوئے بولے "یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں"۔ (اِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ۔ اعراف۔ ۸۲) جاہلیت کے ان بے باک پیروؤں کے بہیئے کی آنکھیں جب اس حد تک پھوٹ چکی تھیں تو انھیں حق و صداقت کے اعلیٰ حقائق کس طرح اپیل کر سکتے تھے۔ اس لئے حضرت لوطؑ کی کوئی ایک بات بھی ان کی سمجھ میں نہ آسکی، اور بالآخر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ بہت ہو چکا اب اس 'عجیب و غریب مصیبت' سے چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے، اور ان 'بکواسیوں' کو دیس نکالا دے دینا چاہیے (اَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ۔ ایضاً)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۵) قومِ شعیبؑ

کچھ مدت کے بعد جب اہل مدین اور اصحاب الایکہ نے جاہلیت کی باگ ڈور سنبھالی تو رحمت الٰہی نے ان کی اصلاح کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو مامور کیا۔ یہ لوگ بھی اپنے پیش رووں سے کچھ مختلف نہ نکلے اور انھیں بھی جب حق کا تریاق پلانے کی کوشش کی گئی تو اس کی تلخی اور سمیت کی شکایت ہو گئی۔ قوم لوطؑ کی طرح یہ بھی اعتقادی گمراہیوں کے ساتھ ساتھ ایک اور خاص اخلاقی عیب، تجارتی بدعنوانیوں کے عیب، میں بڑی شہرت حاصل کئے ہوئے تھے۔ اس لئے حضرت شعیبؑ نے انھیں توحید اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے ساتھ ہی اس عیب کی طرف بھی ان کی توجہ دلائی۔ اس کی وجہ سے دعوتِ حق کو ایک نیا تجربہ اور جاہلیت کا ایک خاص اندازِ فکر واستدلال روشنی میں آیا۔

دعوتِ توحید کے جواب میں انھوں نے کہا:۔

يَاشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ	اے شعیبؑ! کیا تمہاری یہ نماز تمہیں
تَاْمُرُكَ اَنْ نَتْرُكَ	یہ حکم دے رہی ہے کہ ہم ان معبودوں
مَايَعْبُدُ آبَاؤُنَا	کو چھوڑ دیں جنھیں ہمارے اسلاف
(ہود۔ ۸۷)	پوجتے رہے ہیں؟

"جنھیں ہمارے اسلاف پوجتے رہے ہیں" کہنے سے ان کا مدعا بس ایک تاریخی حقیقت کا یاد دلا دینا نہیں تھا، بلکہ اس جملے کے اندر دراصل ان کا اپنے مسلک کے حق میں ایک بہت بڑا 'استدلال' پوشیدہ تھا۔ وہ کہنا یہ چاہتے تھے کہ ایسے عالی مقام بزرگوں کے مقابلے میں تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟ اس لئے ہم اس بات کو کیسے معقول مان لیں کہ وہ تو راہِ راست سے ناآشنا تھے اور تم پر امرِ حق روشن ہے؟ ان بزرگوں کا فلاں فلاں ہستیوں کو معبود ماننا غلط تھا، اور تمہاری بات صحیح ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپؐ کی نبوت کی بات سن کر بولے 'باولے ہو گئے ہو تم پر جادو کر کے تمہاری عقل ماردی گئی ہے، جھوٹ بکتے ہو کہ اللہ رب العالمین کے فرستادے ہو۔ ہمارے ہی جیسے ایک معمولی بشر ہوتے ہوئے مالک الملک کے فرستادے کیسے ہو سکتے ہو؟ (اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِیْنَ۔ شعراء ۱۸۵-۱۸۶)

جب آپؐ نے ان کی کاروباری بے ایمانیوں پر ان کو ٹوکا اور سمجھایا کہ اپنے تمدنی اور معاشی نظام کو بدعنوانیوں سے پاک کرو، ناپ تول میں چھل فریب سے کام لینا چھوڑ دو، جو کہ تمہارے ہاں ایک متفقہ 'معروف' بنا ہوا ہے، تو بھڑک اٹھے، اور کہنے لگے یہ روٹی روزی کے معاملے میں اخلاق کو کہاں گھسائے دے رہے ہو؟ کیا ہم تمہارے اس احمقانہ فلسفے پر اپنے معاشی مفادات کو قربان کر دیں؟ ترازو کی ڈنڈی مارنے کی کارگر تدبیر سے جو فائدے ہمیں حاصل ہوتے ہیں، محض اس لئے چھوڑ دیں کہ آخرت میں اس سے نقصان ہوگا، اس آخرت پر، جو بجائے خود کوئی سمجھ میں آنے والی چیز نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض وہ کبھی آنے والی ہو بھی تو اس کی خاطر اپنی دنیا کو برباد کر دینا اور نقد کو نسیہ پر نثار کر دینا کون سی عقل مندی ہے؟ بڑے 'حلیم' اور 'رشید' بننے چلے ہو، تمہاری نماز اگر توحید اور آخرت کا درس اخلاق و صفائی معاملات کا حکم دیتی ہے تو تم بطور خود اس پر عمل کرتے رہو، ہمیں کیوں مجبور کرتے ہو کہ اپنا مجرب طریقہ چھوڑ دیں؟ مذہب کا معاملہ ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے، دوسروں پر اپنے مزعومات کو مسلط کرنے کا تمہیں کیا حق ہے؟ (قَالُوْا یَا شُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ آبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ۔ ہود - ۸) پیغمبرؐ نے ان کی اس کج فکری اور اس جاہلانہ تصور مذہب کو پھر درست کرنے کی کوشش کی، ان کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگا کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کی نصیحت کی، انجام سے ڈرایا، جزا و سزا کے بارے میں خدا کی دائمی سنت یاد دلانا چاہی، مگر آپ کی کوئی نصیحت، کوئی تلقین اور کوئی تہدید ان کے دلوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دماغ کے بند دروازوں کو کھول نہ سکی، وہ انکار پر انکار کرتے رہے، اور آخر میں صاف صاف کہہ دیا کہ:۔

يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا	شعیبؑ! تمہاری اکثر باتیں تو ہماری
مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ	سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور اپنے درمیان
فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ	ہم تمہیں کمزور پا رہے ہیں، اگر تمہارا قبیلہ
لَرَجَمْنَاكَ ۔ (ہود - ۹۱)	نہ ہوتا تو ہم تمہیں ضرور ہی سنگسار کر دیتے۔

جہاں تک ان کی اس بات کا تعلق ہے کہ "تمہاری اکثر باتیں ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں" چاہے جس ادعائے دانش مندی کے نشہ میں، اور کتنے ہی گہرے طنز کے ساتھ کہی گئی ہوں، مگر اس میں ذرا شبہ نہیں کہ امرِ واقعی کے عین مطابق تھی۔ جاہلیت کے عشق نے ان کی عقل کو اس حد تک اپنا 'معمول' بنا لیا اور ان کی انسانی فطرت کو اس قدر مسخ کر ڈالا تھا کہ عقل سلیم کو اپیل کرنے والے علم حق کے روشن ترین حقائق کو سمجھ سکنے کی کوئی صلاحیت ان میں باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ جس طرح ایک پیدائشی اندھا ہزار سمجھانے کے باوجود یہ نہیں سمجھ سکتا کہ سفیدی کیا چیز ہوتی ہے اور سرخی کسے کہتے ہیں، ٹھیک اسی طرح شرک اور کفر اور فسق و فجور میں مدتِ دراز سے ڈوبے ہوئے شخص کے ذہن میں بھی نہ یہ حقیقت اتر پاتی کہ ذاتِ واحد کے سوا اور کوئی بھی ہستی لائق پرستش نہیں، اور نہ یہ کہ اللہ رب العالمین کی طرف سے انسانوں کو حق کی تعلیم دینے کے لئے خود انہی میں سے کچھ افراد پیغامبر کی حیثیت سے مبعوث ہوا کرتے ہیں، اور نہ یہ کہ سبھی لوگ مرنے کے بعد ایک روز دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے والے ہیں تاکہ ان کی زندگی بھر کے اعمال کا حساب لیا جائے اس لئے اس قوم نے حضرت شعیب سے اگر لَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ کہا تھا تو از روئے واقعہ کچھ غلط نہیں کہا تھا۔

آپ نے اوپر کے صفحات میں قدیم زمانوں کی کچھ مشہور قوموں کے بارے میں قرآن کریم کا یہ جو بیانِ واقعہ پڑھا ہے اور ابھی آگے چل کر بھی پڑھیں گے، کہ ان کے لئے توحید اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخرت اور رسالت ہر ایک کی بات ایک اچنبھے کی بات ثابت ہوتی رہی، توان کا یہ اظہار تعجب بھی دراصل اسی " لَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ " کا مظہر ہوتا تھا۔

(۶) قوم فرعون

شب و روز کی گردش حسب معمول جاری رہی۔ یہاں تک کہ سرزمین مصر میں قبطی قوم کو عروج ملا اور فرعونی خاندان کی حکومت قائم ہوگئی۔ یہ لوگ پوری طرح جاہلیت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب مصر میں چند صدیوں قبل جاکر آباد ہو جانے والے بنی اسرائیل کی اصلاح و ہدایت اور رہنمائی کے لئے، نیز فرعون کے مظالم سے انھیں نجات دلانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو قبطی قوم کو حق کی دعوت دینے کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد تھی۔ انبیائی طریق دعوت کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے قوم کے سربراہ کی حیثیت سے فرعون اور اس کے درباری امراء کو اپنا پہلا مخاطب بنایا۔ فرعون کے دربار میں جاکر اس کے سامنے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور توحید کی دعوت پیش کی۔ اس دعوت کا پیش ہونا تھا کہ واقعات کے پردے پر پھر وہی مناظر نمودار ہونے لگے' اور برابر ہوتے رہے' جو حضرت نوحؑ کے زمانے سے لے کر اب تک نمودار ہوتے چلے آرہے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو نبوت کے مقام پر فائز کر کے حکم ہوا:۔

اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	کہ ظالم قوم کے پاس جا — فرعون کی قوم
قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ	کے پاس — کیا یہ لوگ (اپنے انجام
(شعراء ۱۰-۱۱)	کی طرف سے) بالکل بے خوف ہیں۔

جس قوم کا اللہ جل مجدہ نے گویا نام ہی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (ظالم قوم) رکھ دیا ہو اندازہ کیجئے کہ وہ حق سے کتنی دور اور باطل و جاہلیت کی کیسی دلدادہ رہی ہوگی، اس لئے اس دعوت کا جو جواب اس ظالم قوم نے دیا وہ توقع کے ٹھیک مطابق یہ تھا کہ:۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْ — ہم نے تو ایسی باتیں اپنے پہلے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آبَاءِنَا الْاَوَّلِیْنَ (قصص ۳۶) بزرگوں سے کبھی نہیں سنیں۔

اس چند لفظی جملہ میں انکار بھی تھا، استعجاب بھی تھا، اور اس کی دلیل بھی تھی۔ دلیل یہ تھی کہ جب ایسے ایسے بزرگ نہ خدا کو ایک اور لاشریک مانتے اور کہتے تھے نہ قیامت اور آخرت کا تصور رکھتے تھے اور نہ کسی عام انسان کے بارے میں یہ سوچ بھی سکتے تھے کہ وہ خالق و مالکِ کائنات کا فرستادہ مقرر ہو سکتا ہے تو آج ایک معمولی شخص کی زبان سے نکلی ہوئی یہ نئی اور انوکھی باتیں کیسے مان لی جا سکتی ہیں؟ اور ان کے معقول و قابلِ غور ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟

خیر قوم تو اسی حد پر رک گئی کہ وہ صرف ظالم تھی، مگر فرعون صرف ظالم ہی نہیں ظالموں کا سردار، اور سردار ہی نہیں بزعم خویش ان کا "الٰہ" اور "ربِّ اعلیٰ" تھا، اس لئے وہ ظلم اور سرکشی کے انتہائی اور غیر معمولی مظاہرے کے بغیر کیسے رک سکتا تھا۔ سو اس نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور لاشریک معبودیت کے انکار سے آگے بڑھ کر اپنی مملکتِ مصر کی حد تک اس کی ربوبیت، آقائی اور حاکمیت کا بھی سرے سے انکار کر دیا، اور اسے ناقابلِ قبول ہی نہیں ناقابلِ فہم قرار دے دیا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے جب حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اس کے بھرے دربار میں جا کر اعلان کیا کہ:۔

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بالیقین ہم رب العالمین کے فرستادے ہیں۔ (شعراء ۱۶)

تو وہ فوراً بول اٹھا:۔

وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (شعراء ۲۳) اور یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟

اس کے اس سوال میں استعجاب تو ضرور تھا مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ دہریہ اور منکرِ خدا تھا۔ جب وہ خود اپنی الوہیت کا مدعی اور "ربِّ اعلیٰ" ہونے کا دعوے دار تھا تو دہریہ کیسے ہو سکتا تھا؟ چنانچہ قرآن مجید کے اندر اس کے جن دوسرے اقوال کو مختلف مقامات پر نقل کیا گیا ہے ان میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ وہ خالق و مالکِ کائنات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کا نہیں فرشتوں کا بھی قائل تھا (ملاحظہ ہو سورہ زخرف آیت ۵۳) اس کے کہنے کا مطلب صرف یہ تھا ملکِ مصر کی حد تک میں ہی سب کچھ ہوں، اس مملکت کا فرماں روائے مطلق بھی ہوں اور اس کے باشندوں کا معبود اور ربِ اعلیٰ بھی ہوں۔ اور یہ اس کا قہر اور جاہلیت کا سحر تھا کہ پوری قبطی قوم اس کے اس دعوے کے آگے سپر ڈالے ہوئے تھی، جیسے قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے کہ "اس نے اپنی قوم کو بے وزن بنا رکھا تھا اور وہ اس کے حضور پوری طرح سرِ تسلیم خم کئے ہوئے تھی" (فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ زخرف ۔ ۵۴) پس وہ رب العالمین اور فرماں روائے کائنات کی ہستی کا منکر نہیں تھا، بلکہ ایسے رب العالمین اور فرماں روائے کائنات کا منکر تھا، بلکہ یوں کہئے کہ منکر بنا ہوا تھا جس کی ربوبیت اور فرماں روائی ملکِ مصر پر بھی اسی طرح قائم اور جاری وساری ہو جس طرح باقی کائنات پر قائم ہے۔ اپنے اسی احمقانہ دعوے کی بناپر، قدرتی طور پر اس کا خیال یہ تھا کہ میں کسی بیرونی ہدایت کا ہرگز محتاج نہیں ہوں۔ موسیٰؑ جھوٹ کہتا ہے کہ میں اللہ رب العالمین کا بھیجا ہوا نبی ہوں۔ میرے پاس کسی نبی کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر بالفرض باقی کائنات کے فرماں روا کو مجھ فرماں روائے مصر کے پاس اپنا کوئی ایلچی بھیجنا ہی ہوتا تو کسی ایسے عالی مرتبہ شخص کو بھیجتا جو اگر خود فرشتہ نہ ہوتا تو اس کے جلو میں کچھ فرشتے ضرور ہوتے جو اس کے آگے ہٹو بچو کی منادی کرتے ہوئے چلتے، نیز امراء و شہزادگان کی طرح اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہوتے۔ غرض بشر ہوتے ہوئے بھی وہ فوق البشر ہوتا۔ حماقت اور جاہلیت کا کمال دیکھئے کہ فرعون خود تو ایک بشر ہونے کے باوجود معبود اور رب اعلیٰ ہو سکتا تھا، حالانکہ اس کے جلو میں کوئی ایک بھی فرشتہ نہیں تھا، مگر حضرت موسیٰؑ اللہ کے رسول اور ایلچی نہیں ہو سکتے تھے اس لئے کہ ان کے ارد گرد فرشتوں کا کوئی جھرمٹ نہیں دکھائی دیتا تھا! فرعون کی یہ باتیں، خصوصاً اس کا یہ دعویٰ کہ وہی اہل مصر کا الٰہ و رب ہے اور اس کا یہ سوال کہ رب العالمین کیا چیز ہے، جس قدر بودا اور عقل و فہم سے بعید تھا اسے ایک معمولی سمجھ رکھنے والا شخص بھی بداہتہً محسوس کر سکتا ہے۔ چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے اس احمقانہ سوال کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے دو ہی ایک جملے کہے تھے کہ اس کی زبان تالو سے چپک کر رہ گئی، اور پھر اس کے بجائے کہ وہ اپنی اوقات پر نظر ڈال کر سیدھی طرح حق بات کو مان لیتا، اپنے موقف کی حمایت میں وہی "لاجواب دلیل" پیش کر دی جسے ہر جبار عنید معقولیت کے میدان میں شکست کھا جانے کے بعد پیش کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا "موسیٰ! اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو اپنا رب بنایا تو میں یقیناً تجھے قید کر دوں گا۔" (لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ۔ شعراء۔ ۲۹)

یہ پرانے زمانوں کی چند تاریخی شہادتیں ہیں۔ ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خدا پرستی، آخرت اندیشی، نیکی، تقویٰ اور حسن خلق کے پاکیزہ تصورات کو، جو عقل سلیم کے بدیہی مسلمات اور روحِ انسانی کی مرغوب غذا ہیں، آدمی لبا اوقات کتنی ناگواری اور ترش روئی کے ساتھ ٹھکرا دیا کرتا ہے۔ پھر ان شہادتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس عاقبت دشمن حرکت کی وجہ ہر دور میں، ہر جگہ اور ہر قوم کے ہاں ہمیشہ ایک ہی رہی ہے۔ انسان کی خود فراموشی، ذہنی پستی، فکری کجی، عقلی فساد، باپ دادا کی اندھی تقلید، نفس پرستی اور جاہلی حمیت — یہی وہ نامبارک حجابات ہیں جو حق کے لئے نفوذ کی راہ کو بند رکھتے، اور آدمی کو اس سے بے گانۂ محض بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ انسان اُس حق سے، جس کے ساتھ اس کی اصل فطرت کو وہی تعلق ہے جو تعلق مقناطیس سے صاف لوہے کو ہوتا ہے، یوں اظہار بیزاری کرتا۔ چنانچہ ان افراد کا حال بالکل دوسرا رہا جو اگرچہ جاہلیت کے اندھیرے میں گم پڑے تھے، مگر ان کے دلوں میں ابھی زندگی باقی تھی اور ان کی فطرت قبولِ حق کی صلاحیت سے ہنوز محروم نہیں ہوئی تھی۔ جب حق کی روشنی پھیلی تو وہ اس کی طرف دوڑ پڑے۔ جس کے بعد نہ جاہلی معاشرے کا بندھن انھیں باندھ کر رکھ سکا اور نہ ان کے ذاتی مصالح و مفادات ان کے پاؤں کی بیڑی بن سکے ہاتھی کہ وقت کا اقتدار بھی انھیں اپنے فیصلے سے باز رکھ سکا۔ معاشرے نے جب دباؤ ڈالا تو ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب تھا "وَمَالِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ" یٰس ۲۲۔ (آخر میں اس خدا کی بندگی کیوں نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کے پاس تم سب کو بھی لوٹ کر جانا ہے؟) اور جب ظالم اقتدار نے سولی پر چڑھا دینے کی دھمکی دی تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے "فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ" طٰہٰ ۷۲۔ (جو کچھ تجھے کرنا ہو کرلے) انبیاء علیہم السلام کے سارے جتن کے باوجود اور بیّن سے بیّن آیات دیکھ لینے کے بعد بھی جاہلیت کے بدستور گرویدہ بنے رہے تو صرف وہ بدبخت جن کے اندر ذوقِ حق طلبی کا شائبہ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا اور جنھوں نے انسانیت اور نفسانیت کو ہم معنی سمجھ رکھا تھا۔

بَدَءَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا

ساتویں صدی عیسوی کا آغاز تھا کہ ہدایتِ ربانی کا آخری نزول شروع ہوا، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری پیامبر کی حیثیت سے مبعوث ہوئے۔ وقت کے پردوں پر دعوتِ حق کے سلسلے میں وہی مناظر پھر ابھرنے لگے جو ایسے مواقع پر ہمیشہ ابھرتے رہے ہیں۔ چونکہ آپؐ کی نبوت نہ صرف یہ کہ دائمی تھی بلکہ عالمی بھی تھی، اس لئے اب کی بار اسلام اور جاہلیت کا ٹکراؤ بھی غیر معمولی حد تک سخت اور وسیع رہا۔ اگرچہ دنیا اپنی ذہنی نشوونما کے اعتبار سے اب سنِ رشد کو پہنچ رہی تھی مگر حق سے اس کی بے رغبتی اور باطل سے ذوقِ وابستگی میں کوئی فرق نہ ہونے پایا تھا۔ اس لئے آپ کی دعوت کا بلند ہونا تھا کہ ٹھیک وہی طوفان اٹھ کھڑا ہوا جو انبیائی دعوتوں کے خلاف اٹھتا رہا ہے۔ حق کی تردید کے لئے جاہلیت اپنی بیاض استدلال کھول کر بیٹھ گئی اور آپؐ کی نبوت کے خلاف یہ دلیل پڑھ کر سنا دی۔

أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا — کیا اللہ نے ایک بشر کو اپنا فرستادہ بنایا ہے؟ (بنی اسرائیل ۹۴)

اور:-

عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ — اس بات پر وہ متعجب ہو رہے ہے کہ انہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ (ق۔۲)
کے اندر سے ایک خبردار کرنے والا ان کے پاس آیا ہے چنانچہ ان منکروں نے کہا کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

جہاں کسی پر شبہ ہوا کہ یہ حضورؐ کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے قوم کے بڑوں نے اسے شرم دلاتے ہوئے کہا:۔

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (بنی اسرائیل۔۴۷)
تم تو ایک آسیب زدہ کے پیرو بنا چاہتے ہو

اور جب آپؐ کی زبان سے قرآن سنتے تو اس پر توجہ کرنے کے بجائے تیز نگاہوں سے آپؐ کو اس طرح گھورنے لگتے گویا آپ کے قدم پھلائے بغیر نہ رہیں گے (اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ۔ قلم۔۵۱) اور کہتے یہ تو نرا دیوانہ ہے (اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ۔ ایضاً) توحیدؐ کے خلاف یہ 'دلیل' پیش کی گئی:۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (ص۔۵)
کیا اس شخص نے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا ڈالا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب چیز ہے۔

اور پھر عملی رویہ یہ اختیار کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں کان میں پڑتے ہی منہ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے (وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۔ بنی اسرائیل۔۴۶)
آخرتؐ کی بات سنتے ہی آپؐ کو ایک انوکھا اور حیرت انگیز تماشہ قرار دے کر ایک دوسرے سے کہنے لگا:۔

هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (سبا۔۷)
کیا ہم تمہیں ایک ایسے شخص کو بتلائیں جو خبر دیتا ہے کہ جب تم لوگ گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو از سرِ نو پیدا کئے جاؤ گے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بار بار اس کا مذاق اڑایا جاتا رہا۔ کبھی سر ہلا ہلا کر کہا جاتا "آخر وہ کب برپا ہوگی"؟ (مَتیٰ هُوَ۔ بنی اسرائیل۔ ۵۱) کبھی پوچھا جاتا" وہ کب آ کر لنگر انداز ہوگی"؟ (اَیَّانَ مُرْسٰهَا نازعات۔ ۴۲) غرض ان ماضی پرستوں، حال کے شیدائیوں اور مستقبل سے غافلوں کے نزدیک دعوتِ حق کی بنیادوں میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی نہ تھی جو بداہتہً غلط نہ ہوتی اور جو قابلِ تعجب ہی نہیں لائقِ استہزاء بھی نہ ٹھہرتی اور جس پر لمحہ بھر بھی ٹھہر کر غور کیا جا سکتا۔ ہر بنیاد ایک عجوبہ اور اس کی ہر دلیل دیوانے کی بڑ تھی۔ آپؐ کے نبی ہونے پر تعجب کا اظہار اور اس کا استہزاء، توحید کے عقیدے پر تعجب کا اظہار اور اس کا استہزاء، آخرت کی بات پر تعجب کا اظہار اور اس کا استہزاء۔ اور جب اس دین کی ساری بنیادیں محلِ تعجب اور لائقِ استہزاء ٹھہرا دی گئیں تو ان بنیادوں پر تشکیل پانے والے پورے نظام ہدایت کا ایک ایک جزو ان کے لئے قدرتی طور پر ناقابلِ فہم ہونا چاہئے تھا، اور جیسا کہ آگے چل کر آپ تفصیل سے پڑھیں گے، فی الواقع ایسا ہی ہوا بھی۔ حضورؐ کی اور آپؐ کے اصحابؓ کی مسلسل کوششوں اور تفہیموں کے باوجود نہ تو اس دین کا تصور ہی انھیں اپیل کر سکا، نہ اس کے معیارِ خیر و شر سے وہ مانوس ہو سکے، نہ اس کی اخلاقی قدروں کے رمز شناس بن سکے اور نہ اس کے احکام کی حکمتیں اور مصلحتیں ان کی سمجھ میں آ سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضورؐ ان کی نظر میں اس دنیا کی مخلوق تھے ہی نہیں نہ آپؐ کی کوئی بات انسانی عقل کے لئے قابلِ فہم تھی۔ آپؐ کے لائے ہوئے دین کے مطلوبہ ذہنی سانچے سے رائج الوقت اندازِ فکر و نظر کی بے گانگی کی انتہا یہ تھی کہ جاہلیت کے اندھے پرستاروں کا معاملہ تو الگ رہا، اُن پیروانِ حق کو بھی جو جاہلیت کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکل آئے تھے اور جنھیں توحید، آخرت، رسالت، قرآن اور اسلام پر پورا پورا شرح صدر حاصل ہو گیا تھا۔ اس دین کے تفصیلی تقاضوں کو ہضم کر لینے میں قدم قدم پر مشکلات پیش آتی رہیں، اور اس کی فکر کی بے نظیر بلندیوں کے سامنے وہ بھی بار بار ٹھٹک کر کھڑے ہو جاتے رہے۔ اور برسوں کی تربیتی کوششوں کے بعد ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذہنوں کو پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح صاف کر سکے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ کے یہ وہ حقائق ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین لفظوں کے ایک مختصر سے بلیغ جملے میں یوں بیان فرمایا ہے:۔

بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا — اسلام کا آغاز ایسی حالت میں ہوا تھا کہ وہ (دنیا کے لئے) 'غریب' تھا۔

(مسلم، جلد اول، باب ان الاسلام بدأ غریبا)

'غریب' کے معنی عربی زبان میں اس معنی سے بہت کچھ مختلف ہیں جو اس لفظ کے اردو زبان میں ہیں۔ اردو میں غریب کے عام اور مشہور معنی مفلس اور نادار کے ہیں، اور کبھی کبھی 'مسافر' کے معنی میں بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن عربی زبان میں اس کے معنی مفلس اور نادار کے تو بالکل نہیں ہیں البتہ مسافر کے ضرور ہیں، مگر یہ معنی بھی فی الواقع مجازی ہیں حقیقی نہیں ہیں۔ حقیقی معنی اس لفظ کے نرالے، بیگانے اور اجنبی و نامانوس کے ہیں۔ اور یہی اصل معنی اس ارشاد نبوی میں مراد ہیں۔ 'مسافر' کے معنی اس لئے مراد نہیں ہو سکتے کہ ایسی شکل میں نہ تو اس ارشاد کے اندر کوئی خاص معنویت پیدا ہو سکتی ہے نہ ادب کا ذوق ہی اسے تسلیم کر سکتا ہے۔ پھر 'غریب' کے معنی اگر مسافر کے ہوتے ہیں تو اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ ایک اجنبی ماحول میں ہوتا ہے اور وہاں کے لوگوں کو اس سے کوئی یگانگی، کوئی انس اور کوئی جان پہچان نہیں ہوتی۔ لیکن اصل اجنبیت اور بیگانگی شکل صورت، وضع قطع اور وطنی تعلق کی نہیں بلکہ افکار و نظریات، پسند و ناپسند اور مذاق و مزاج کی ہوتی ہے۔ ایک آدمی اپنے ہم وطنوں اور خونی رشتہ رکھنے والوں کے اندر رہتے ہوئے بھی بیگانہ سے بیگانہ تر ہو سکتا ہے اگر اس کا ذہن ان کے ذہن سے کوئی لگاؤ نہ رکھتا ہو اور اس کے افکار و تصورات ان سے بالکل مختلف ہوں۔ پس اسلام کے 'غریب' ہونے کا مطلب جس طرح یہ نہیں ہے کہ جب اس کی ابتدا ہوئی تھی اس وقت اس کے عملی معنی افلاس کے تھے اور اس کے ماننے والے سب کے سب مفلس تھے، اسی طرح یہ بھی نہیں ہے کہ اسلام کی ابتدا مسافرت یا غایت بدوشی کی حالت میں ہوئی تھی، بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ جب وہ آیا تو اپنی خالص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقلیت اور بے آمیز فطریت، اپنے عقائد اور تصورات، اور اپنی اقدار و مرضیات کے اعتبار سے اس دنیا کے لئے بالکل نرالا، سرتاسر اجنبی اور یکسر بیگانہ تھا جو نفسانیت، مادیت، فکر و نظر کی پستی، عقلی فساد، خود ساختہ رسوم اور باپ دادا کی اندھی تقلید کے شیدائیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس کی ایک ایک بات سے لوگوں کو وحشت ہو رہی تھی، ہر چیز ان کو اوپری اور ناقابل فہم، عجیب اور حیرت انگیز معلوم ہو رہی تھی۔ ان کے ٹیڑھے اور تنگ دماغوں میں اس ماورائی، وسیع بلند اور پاکیزہ نظام ہدایت کا تصور کسی طرح سما تا ہی نہ تھا جو اسلام نے پیش کیا تھا۔ جس طرح گول خانے میں چوکھٹی چیز گھس نہیں پاتی اسی طرح ان کے اوندھے ذہنوں میں دعوتِ حق کی باتیں اثر نہیں پاتی تھیں، اور جس طرح سانپ کے ڈسے ہوئے کو نیم کے پتوں کی کڑواہٹ محسوس نہیں ہو پاتی اسی طرح ان جاہلیت کے ڈسے ہوؤں کی عقل بھی کفر، شرک، فسق، مادیت، نفسانیت اور بدطینتی کی تلخی کا احساس کھو بیٹھی تھی۔

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کے تازہ انگریزی کتابچے۔

(1) ISLAM — THE UNIVERSAL TRUTH 3/-

(2) ISLAM AND THE UNITY OF MAN KIND 3/-

By. Maulana Syed Jalaluddin Umri.

(3) PITFALLS ON THE PATH OF ISLAMIC MOVEMENT 4/-

(4) HOW TO STUDY ISLAM? 3/-

By Maulana Sadruddin Islahi

یہ کتابچے ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

© rasailojaraid.com